

یہ اسیرانِ اُمت، یہ گمنام ہیرو!

الیس احمد پیرزادہ^o

۶۵ برس کی عمر کا محمد لطیف خان ضلع راجوری کے ایک دُور دراز علاقے کا رہنا والا شخص ہے۔ اس کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ۱۰ کنال اراضی اور ایک مکان اُن کی ملکیت ہے۔ مال مویشیوں کو پہاڑوں پر گھاس چارا کھلا کر اپنی کمائی کا ذریعہ بناتے اور اس طرح گھر کی گزر بسر کرتے آرہے تھے۔ محمد لطیف اپنے بچوں کی پڑھائی کے بارے میں لاپرواہ نہیں تھے۔ اُن کا بڑا بیٹا لکھنؤ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر رہا تھا۔ ایک بیٹا اور تین بیٹیاں گجرات کے دینی مدارس میں قرآن حفظ کر رہے تھے۔ ۲۰۰۶ء میں اس گھر پر آزمائشوں کا سلسلہ اُس وقت شروع ہو گیا، جب محمد لطیف خان کے بڑے بیٹے محمد اسلم خان کو دہلی پولیس کے خصوصی سیل نے لکھنؤ سے گرفتار کر لیا۔ اُنھیں دہشت گردی کے متعدد واقعات میں ملوث قرار دے کر تہاڑ جیل میں بند کر دیا گیا۔

دہلی میں اُن کے مقدمے کی شنوائی کچھوے کی چال چلتی رہی، تاریخ یہ تاریخ اور یوں برسوں بیت گئے۔ محمد لطیف جس نے کبھی ریاست کشمیر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ اُنھیں اپنے بیٹے تک پہنچنے اور اُن کا مقدمہ لڑنے میں کافی سختیاں جھیلنا پڑیں۔ ابھی وہ دلی میں اپنے بڑے بیٹے کی رہائی کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے کہ اُن کا دوسرا بیٹا گجرات میں گرفتار کر لیا گیا ہے، جسے کئی برسوں سے جیل کی کال کوٹھڑیوں میں تڑپایا جا رہا ہے اور انجام کا کچھ پتا نہیں۔

محمد اسلم جو تہاڑ جیل میں نظر بند تھا اور دلی میں اُن کا مقدمہ چل رہا تھا، اسے دہلی کی عدالت نے دو برس قبل تمام الزامات سے نہ صرف باعزت بری کر دیا بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ ”جن پولیس افسروں

o سری نگر، مقبوضہ جموں و کشمیر

نے اس نوجوان کو بے بنیاد الزامات کے تحت گرفتار کیا ہے اُن کے خلاف کارروائی عمل میں لائی جائے۔ بھارتی عدالتی احکامات کی پاس داری کا حال یہ ہے کہ جس دن محمد اسلم کو عدالت نے باعزت بری کر دیا اُسی رات اُنھیں رہا کرنے کے بجائے ممبئی پہنچایا گیا، جہاں کسی اور مقدمے میں اُن کا نام پہلے ہی سے درج کیا جا چکا تھا۔ محمد لطیف کا رابطہ یہاں سے ہی اپنے بیٹے کے ساتھ کٹ گیا، کیونکہ اُن کی رسائی صرف دلی تک تھی۔ دلی سے آگے جانے کے لیے نہ اُن کی مالی حالت اُنھیں اجازت دے رہی تھی اور نہ اُن کے پاس وہاں جانے کے لیے ضروری واقفیت تھی۔ اس لیے اُنھوں نے مجبوراً اپنے بیٹے کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور گھر واپس لوٹ آئے۔

۸ جولائی ۲۰۱۶ء کو برہان مظفر وانی اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد وادی جموں و کشمیر میں محکموں اور مجبوروں کے جذبات اُبل پڑے۔ ابتر حالات نے ریاست کی پوری آبادی کو بیرونی دنیا سے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ کہاں کیا ہوا؟ کس کی زندگی کہاں داؤ پر لگ گئی؟ اس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جمہوریت کے دعوے داروں نے انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع ابلاغ تک بھی کشمیریوں کی رسائی کو قریب قریب ناممکن بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اُن دنوں یہاں ہونے والی قتل غارت گری نے بھی عام باشندوں کو کشمیر کی حدود سے باہر کی دنیا سے تعلق کر رکھا تھا۔ یہاں کشمیر میں نوجوانوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کیے جا رہے تھے، بچوں اور عورتوں کو چھتروں کی بوچھاڑ سے اندھا کیا جا رہا تھا اور وہاں محمد اسلم خان کو ممبئی کی عدالت میں جرم بے گناہی کی سزا سنائی جا رہی تھی۔ ریاست جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے اس گناہ نوجوان کو ممبئی کی ایک عدالت نے دیگر چار لوگوں کے ساتھ برہان مظفر وانی کی شہادت کے صرف تین دن بعد فرضی الزامات کے تحت عمر قید کی سزا سنائی ہے۔ اُن کی سزا کے بارے میں ریاست جموں و کشمیر میں، اس کے والدین کے علاوہ شاید ہی کسی کو پتا ہوگا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اُن کے والدین پر اُس وقت غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، جب کسی انجان فرد نے اُنھیں فون کر کے اطلاع دی کہ: ”آپ کے بیٹے کو عمر قید کی سزا ہو گئی ہے۔“

چند ہفتے قبل جس وقت محمد لطیف خان سے میری ملاقات ہوئی تو اُنھیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اُن کے بیٹے کو کس مقدمے میں عمر قید کی سزا سنائی گئی اور آج اُنھیں کہاں رکھا گیا ہے؟ اُنھیں

ممبئی سے کسی وکیل نے صرف یہ اطلاع دی تھی کہ: ”آپ کے بیٹے کو عمر قید کی سزا ہوئی ہے اور اگر آپ اس سزا کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں، تو فوراً ممبئی پہنچ جائیں“۔ میں نے محمد لطیف سے وکیل کا نمبر لیا اور اُن سے بات کی تو معلوم ہوا کہ محمد اسلم اس وقت امراتی جیل میں مقید ہیں اور اُنہیں عمر قید کی سزا سنائی جا چکی ہے۔ میں نے سوال کیا: ”کن الزامات کے تحت سنائی گئی؟“ یہ وکیل صاحب نے مجھے فون پر بتانا مناسب نہیں سمجھا بلکہ کہا: ”آپ لوگوں کو ممبئی آ کر ہی مقدمے کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی جائے گی“۔ شاید وکیل صاحب اپنے اخراجات ادا ہونے تک مقدمے کی تمام تر تفصیلات بتانا نہیں چاہتے تھے۔

محمد لطیف خان کی درد بھری داستان کا ایک اور ٹڑپانے والا پہلو بھی ہے۔ اپنے دونوں بیٹوں کی رہائی کے لیے دوڑ دھوپ کرنے کے لیے اُنھوں نے لوگوں سے بہت قرضہ لیا ہے، سختیاں جھیلیں ہیں، مصائب سہہ لیکن کبھی بھی تحریک حق خود ارادیت سے بدل نہیں ہوئے۔ اُنھوں نے لوگوں سے قرضہ وصول کرنے کے عوض اپنی دس کنال پر مشتمل کل اراضی گروی رکھی، جس مکان میں رہائش پذیر ہیں وہ بھی قرض داروں کے یہاں گروی ہے۔ اب اُن کی مالی حالت اس قدر پتلی ہو چکی ہے کہ وہ ممبئی جا کر اپنے بیٹے سے ملاقات کرنے کا خواب بھی دیکھنا بھول چکے ہیں۔ بقول اُن کے: ”میں جب دلی اپنے بیٹے کی ملاقات کے لیے جاتا، تو کئی دن تک فاقہ کشی کا شکار رہتا تھا اور فٹ پاتھوں پر سرد گرم راتیں بسر کرتا تھا“۔ بیٹے کے مقدمے کو دوبارہ کھولنے اور اس کی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے ضروری قانونی چارہ جوئی کرنے کی نہ اُن میں سکت ہے اور نہ مالی لحاظ سے اس قدر بہتری پوزیشن میں ہیں کہ وکیل کی فیس اور ممبئی جانے کے اخراجات اٹھاسکیں۔ ۱۰ سال سے اُن کا اسکالر بیٹا جیل کی کال کوٹھڑیوں میں سڑ رہا ہے۔ اُن کی پوری زمین اور مکان قرض داروں کے پاس گروی ہے۔ دوسرے بیٹے پر سزا کی تلوار لٹک رہی ہے۔ اس کے باوجود جب اُن سے بات کرتے ہیں تو صبر و استقامت سے لبریز ہمالیہ جیسی شخصیت اُن کے بوڑھے وجود میں نظر آتی ہے۔

یہ صرف محمد لطیف کی ہی داستانِ الم نہیں ہے بلکہ یہ بیرون ریاست درجنوں کشمیری قیدیوں کی داستانِ غم کا صرف ایک ورق ہے۔ ورنہ دل دہلانے والی سیکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

● کشمیریوں کی ورٹی کے نوجوان اسکالر محمد رفیق شاہ گذشتہ قریباً ۱۰ برس سے تہاڑ جیل میں

پابند سلاسل ہیں۔ اُن کے مقدمے کی سماعت بھی کچھوے کی چال کی طرح ہو رہی ہے۔ اُن کی زندہ دل والدہ محترمہ بڑی ہی دلیری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر کے اپنے اکلوتے بیٹے کی رہائی کے لیے کوششیں کرتے کرتے تھک چکی ہیں، لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

● ٹنگ مرگ کے ایک اور قیدی محمد مظفر ڈار کے بھائی سے معلوم ہوا کہ 'نیشنل انوسٹی گیشن ایجنسی آف انڈیا' (NIA) نے اُن کے خلاف چار سو گواہوں کی فہرست عدالت میں پیش کی ہے اور این آئی اے دلی کے وکلا پر اُن کا مقدمہ نہ لڑنے کے لیے دباؤ بھی ڈال رہی ہے، جس کے نتیجے میں ایک معروف وکیل نے ڈھائی لاکھ روپے فیس وصول کرنے بعد اُن کا مقدمہ چھوڑ دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد مظفر ڈار جنہیں ڈھائی برس قبل این آئی اے نے سرینگر سے تہاڑ منتقل کر کے انھیں وہاں کسی مقدمے میں ملوث کیا اور اُن کے خلاف چار سو گواہوں کی فہرست تیار کی، وہ گواہ کب تک اپنا بیان درج کرائیں گے اور پھر عدالت فیصلہ کب سنائی گئی؟ حد تو یہ ہے کہ ایک ایسا گواہ بھی فہرست میں شامل رکھا گیا ہے، جو امریکا میں مقیم ہے اور شاید ہی وہ کبھی ہندستان آکر گواہی کے لیے عدالت کے سامنے پیش ہو۔ ہندستان کے عدالتی نظام میں محمد مظفر ڈار کو اپنے مقدمے کا فیصلہ سننے کے لیے کئی زندگیاں درکار ہوں گی۔ اُن کے بھائی کے بقول جیل میں وہ کئی امراض کا شکار ہو چکے ہیں، کمر درد نے اُن کا بُرا حال کر دیا ہے۔

● تحریک حریت سے وابستہ غلام محمد بٹ ساکن زکورہ، مشتاق احمد ساکن کنیل ون اسلام آباد، طالب لالی وغیرہ بھی کئی برسوں سے تہاڑ جیل میں قید و بند کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور انصاف کے ناقص نظام کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ اُن کا نہ یہاں کوئی پُرسان حال ہے اور نہ عالمی انسانی حقوق کی تنظیمیں ہی اُن کی رہائی اور ضروری قانونی امداد فراہم کرنے کے لیے اپنا کوئی کردار نبھا رہی ہیں۔ انسانی حقوق کی یہ تنظیمیں پریس بیانات اور رپورٹیں مشتہر کرنے تک ہی محدود ہیں اور کشمیری قیدیوں کے حوالے سے انھوں نے ان دونوں چیزوں سے بھی جیسے تو بہ ہی کر رکھی ہے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں، ورنہ ہزاروں کشمیری بیرون ریاست جیلوں میں نہ صرف جسمانی سختیاں جھیل رہے ہیں بلکہ نسلی تعصب کا شکار بھی بنائے جا رہے ہیں۔ جیل حکام بھی اُن کے ساتھ

دوسرے ملک کے شہریوں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ ہندستان کی جیلوں میں قاتلوں، چوروں اور لیٹروں کی عزت و تکریم کی جاتی ہے، انھیں ہر طرح کی سہولت فراہم کی جاتی ہے لیکن کشمیر کے پڑھے لکھے سیاسی قیدیوں کی تذلیل ہی نہیں بلکہ انھیں ہر حیثیت سے ذہنی طور پر اپانچ اور مریض بنانے کے لیے کام ہو رہا ہے۔ ان کی زندگیوں کو اجیرن بنا دیا گیا ہے۔ بے بنیاد مقدمات میں پھنسانا اور پھر قانون کے نام پر ان کے ساتھ مذاق کرنا کشمیر سے باہر قانونی اداروں کا وتیرا بن چکا ہے۔

ظلم و جبر کی چکیوں میں پسے والے ان مظلوم کشمیری نوجوانوں کو اپنے لواحقین سے کھل کر ملاقات کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی ہے۔ گزشتہ تین ماہ سے مزید ۱۵ ہزار سے زائد کشمیریوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے ان اسیرانِ ملت نے کبھی بھی اپنی قوم سے کوئی شکایت نہیں کی، بلکہ یہ لوگ تحریکِ حق خودارادیت کے لیے اپنی جوانیاں قربان کر رہے ہیں، اپنی راتوں کی نیند اور دن کا سکون غارت کر رہے ہیں۔ صبر کے پیکر یہ نوجوان ہمارے ہیرو ہیں۔ یہ ہماری تحریک کا اثاثہ ہیں۔ ان کی قربانیوں کو ہمیں ہر سطح پر اور ہر حال میں یاد رکھنا ہوگا اور ان قربانیوں کے تئیں ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا ہوگا۔

بظاہر سمجھا جاتا ہے کہ خطہٴ پیر پنجال اور وادیِ چناب شاید تحریک میں پیچھے ہے، لیکن جموں کے ان مسلم اکثریتی علاقوں میں محمد لطیف خان اور ان کے بیٹے محمد اسلم جیسے قربانی کے مجسمے بھی رہتے ہیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ سیاسی حقوق کی بازیابی کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں۔ ان کی یہ قربانیاں نہ لیڈروں کی نظر میں آتی ہیں اور نہ اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ محمد اسلم اور ان کا پورا گھرانہ اور جیلوں میں مقید ہزاروں کشمیری قیدیوں کی مثال ان پتھروں کی ہے جو کسی عمارت کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے لیے زمین کے اندر اپنا وجود ختم کر دیتے ہیں۔

یہ نوجوان اپنی زندگی کے قیمتی سال بھارتی تعذیب خانوں میں کاٹ کر تحریک کو بنیاد فراہم کر رہے ہیں۔ ان اسیران کے تئیں ملت کی ذمہ داری ہے کہ اسیران کو قانونی امداد فراہم کرے، ان کے لواحقین کا خاص خیال رکھے، محمد لطیف خان جیسے لوگوں کے درد کو سمجھے۔ یہ ان مقید افراد پر کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ اپنے اُس فرض کو ادا کرنا ہے جو قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے وفی الرقاب کی صورت میں ان کے لیے مختص کر رکھا ہے۔